قتیل شفائی کی نظموں میں جبر کے خلاف احتجاج

سید محمد ظفر عباس نقوی [1]

Abstract:

Qateel Shifai is basically a human lover; his poetry harbours the intense feelings of high human values. He is against all kinds of Social differences, Self-Centeredness, Oppression and injustice in the society. That's why; the themes of his poems are centered around the oppressed people. Since he himself faced exploitation that's why he chants voice in favor of the victimized people. He very well understands the tactics used to oppress the people in the motherland. He is against capitalism, feudalism, and rotten system running in the country. He is not amongst those so-called intellectuals who shut their eyes on and remain silent over the oppression. He used his pen against the cruel system. No oppressor had the courage to buy his pen. He wrote beyond any reservations. In this Exploiting society, everything is for sale though it is prohibited by law. His poetry unveils the bitter realities of society.

Keywords: **Philanthropy, High human values, Diction of the oppression and Victimization, Oppressed People,** Exploiting Society, Oppression and Injustice, System of Oppression, Bitter Realities, Unveiled.

قتیل شفائی بنیادی طور پر انسان دوست ہیں۔ اُن کے ہاں اعلیٰ انسانی قدروں کا شدید احساس موجود ہے۔ وہ انسانی معاشرے میں طبقاتی فرق، مفاد پرستی، ظلم و نا انصافی کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے مظلوم انسان ان کی نظموں کا خاص موضوع ہیں۔ کیونکہ وہ خود بھی استحصال کا شکار ہوئے اس لیے وہ مظلوموں کے حق میں آواز بلند کرتے ہیں۔ وہ بہ خوبی سمجھتے ہیں کہ ملک عزیز میں کس طرح لوگوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ نظام، جاگیردارانہ نظام، ملک میں رائج فرسودہ نظام کے شدید مخالف ہیں۔ وہ ان ادیبوں میں شامل نہیں جو ظلم ہوتا دیکھ کر خاموشی اختیار کر لیں۔ اُنھوں نے ظالمانہ نظام کے خلاف قلم اُٹھایا۔ کسی ظالم میں یہ ہمت نہیں کہ وہ ان کے قلم کو خرید سکے۔ اُنھوں نے مصلحتوں سے بالا تر ہو کر لکھا۔ اس استحصالی معاشرے میں ہر شے بک رہی ہے چاہے اس کی ممانعت کیوں نہ ہو۔ اُنھوں نے اپنی نظموں کے ذریعے معاشرے میں موجود تلخ حقائق کا پردہ چاک کیا۔

کلیدی الفاظ: انسان دوستی، اعلیٰ انسانی قدریں، ظلم و جبر کی مخالفت، مظلوم انسان، استحصالی معاشرہ، ظلم و ناانصافی، ظالمانہ نظام، تلخ حقائق، پردہ چاک کرنا

ترقی پسند تحریک نے سماج کے روایتی نظام اقدار کے خلاف باغیانہ جذبات کو اردو نظم میں بڑی جگہ دی اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تبدیلی کی خواہش کے لیے جدید انقلابی شاعری کی بنیاد استوار کی۔ اس زمانے میں علی سردار جعفری، فیض احمد فیض، مخدوم محی الدین، مجروح سلطان پوری، ساحر لدھیانوی، جاں نثار اختر، کیفی اعظمی، حبیب جالب، معین احسن جذبی اور احمد ندیم قاسمی نے ان موضوعات پر اپنی نظموں میں بہت

---

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ ملت کالج، ملتان

زیادہ لکھا۔ قتیل شفائی بھی ترقی پسند تحریک کے فعال رکن تھے۔اُنھوں نے اس نظریے اور سوچ کو اپنایا مگر خوبی یہ رہی کہ اپنی شاعری کو نعرہ نہیں بننے دیا۔[۱]ہر حساس شاعر کی طرح قتیل شفائی نے بھی اپنے سماجی اور معاشرتی مسائل سے لاتعلقی اختیار نہیں کی۔اُنھوں نے ان موضوعات کو اپنی پوری اہمیت کے ساتھ بیان کیا۔ معاشرے کے مظلوم طبقات خاص طور پر اُن کا موضوع بنتے ہیں۔اُنھوں نے گردوپیش کی مکروہ حقیقتوں کو بے نقاب کیا،ظلم وجبر کا پردہ چاک کیااور مظلوموں کے حق میں آواز بلند کی۔

سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں:

> ''وہ ان شاعروں میں سے نہیں جو ظلم ہوتا دیکھیں اور خاموش رہیں یا غوں غاں کرنے لگیں۔وہ اپنے عصر کو زندہ رکھنے والی شاعری کرتا ہے۔اپنی زندگی کے راستے کی طرح قتیل نے اپنے فن کا راستہ بھی خود تراشا ہے۔اُس کا ذہن زندہ رہنے کی مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر سوچتا ہے اور قلم موت کے خوف سے بے پرواہو کر لکھتا ہے۔''[۲]

قتیل نے مروجہ ظالمانہ نظام سے ٹکر لے لی مگر کوئی ظالم ان کے قلم کو خرید نہ سکا۔اُنھوں نے اہمیشہ اپنے ضمیر کی حرمت کی پاسداری کی:

مرا قلم جمہور کی امانت ہے
اسے عوام کی بے چارگی ستاتی ہے
میں خود اسیر سہی، میرا فن اسیر نہیں
مرا قلم کسی جلاد کا ضمیر نہیں[۳]

قتیل معاشرے میں رائج کالے قوانین کی اصلیت سے بہ خوبی آگاہ ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ یہاں کس طرح لوگوں کو ظلم وزیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔اس ظالمانہ نظام میں دوسروں کے حقوق کیسے غصب کیے جاتے ہیں۔امن وسکون کے دشمن چکاچوند کرنے والی روشنیوں کے محلوں میں بیٹھ کر غریبوں کے اندھیرے گھروں کو مزید اندھیرے میں دھکیلنے کی سعی کرتے ہیں۔اگر کوئی ظلم کے خلاف آواز بلند کرتا ہے تو مظلوم کو فریاد کرنے کی اجازت نہیں ہوتی:

جب تڑپتا ہے کوئی درد کی شدت لے کر
اپنے درماں کے لیے خدمت جاہی میں
حکم ہوتا ہے کہ فریاد نہ ہونے پائے
جگمگاتے ہوئے ایوانِ شاہی میں[۴]

قتیل بنیادی طور پر انسان دوست ہیں۔ اُن کے ہاں اعلیٰ انسانی قدروں کا شدید احساس پایا جاتا ہے۔ وہ انسانی معاشرے میں طبقاتی فرق، مفاد پرستی، ناانصافی اور ظلم وزیادتی کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے پسے ہوئے طبقات خاص طور پر اُن کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ جب وہ ظالمانہ نظام، سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیردارانہ نظام میں جکڑے ہوئے مزدوروں اور دہقانوں کی حالت پر نظر کرتے ہیں تو اُنہیں دُکھ ہوتا ہے کہ دہقان کو صبح سے شام تک محنت کرنے کے باوجود اپنے ہاتھ سے کاشت کی ہوئی فصل میں سے دو وقت کی روٹی میسر نہیں آتی اور اُس کے بچے بھوک سے تڑپتے ہیں تو وہ اپنی نظم ''اقبالؒ کے تاجر'' میں یوں مخاطب ہوتے ہیں:

تو نے دہقانوں کے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر
خوشہ گندم کا ان کو دانہ دانہ دے دیا
آج لیکن تیری آنکھیں بند ہوجانے کے بعد
بھوک نے کھیتوں کو حسن نے مجرمانہ دے دیا [۵]

اپنے آبائی علاقے صوبہ خیبر پختون خوا کے دہقانوں کی حالت زار پر قتیل کی نظم ''خوانین سرحد'' ہے۔ خوانین کے ظالمانہ رویے سے دہقانوں کے گھروں میں بھوک کا برہنہ ناچ ہوتا ہے۔ قتیل افلاس کے اس منظر پر بڑے دکھ بھرے انداز میں تبصرہ کرتے ہیں جس سے قاری پر رقت طاری ہوجاتی ہے۔

ان اشعار کے بارے میں فارغ بخاری لکھتے ہیں:

''فصل پک کر تیار ہوتی ہے تو خوانین اور ان کے کارندے اُٹھا کر اُسے گوداموں میں پہنچا دیتے ہیں اور ان بیچاروں کو اتنا حصہ بھی نہیں ملتا کہ اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکیں۔''[۶]

قتیل کو مروجہ طبقاتی نظام سے سخت نفرت ہے۔ وہ اس کے خلاف جذبات کا اظہار کیے بغیر نہیں رہتے۔ وہ جانتے ہیں کے اونچ نیچ کا مصنوعی نظام انسانیت کے لیے پریشانیوں اور دُکھوں کا باعث ہے۔ قتیل شفائی

غور و فکر کرتے ہیں کہ اس ظلم و جبر، مجبوری و محرومی، بے بسی و لاچاری کی وجہ کیا ہے؟ وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس بے کسی و بے بسی کا سبب خود انسان کے غلط رویے اور غلط سوچیں ہیں۔

اعزاز احمد آذر قتیل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اگر بے بسی کا ضمیر زندہ ہے اور اسے احساس کے شعلوں سے حرارت پہنچتی ہے تو اس کی تڑپ کو میں پیار کا تحفہ دوں گا لیکن انہیں پہلے کوئی یہ کہہ دے کہ آئندہ یہ گھناؤنے کھیل نہیں کھیلے جائیں گے۔ ماضی کے افسانے نہیں دہرائے جائیں گے۔ کسی مجبور و بے بس جوانی کو بازار نہیں لایا جائے گا۔ محبت کو سنہری طوق نہیں پہنائے جائیں گے اور آتش زرداری خلوص دل ربائی کو جلا کر خاک نہیں کر دے گی کیونکہ وہ اپنے ضمیر کی آواز اور دل کی دھڑکنوں کو دبا نہیں سکتا۔''[۷]

وہ اپنی نظم ''اے زندگی'' میں چیخ اُٹھتا ہے:

کہتے ہیں دنیا ہم جسے، مقتل وہ ارمانوں کا ہے
بستے ہیں اس میں بھیڑیے، جنگل یہ انسانوں کا ہے[۸]

زندگی کی بے مہر نظروں کا وہ خود بھی شکار ہوئے۔

قتیل کے نصیب کا ستارہ بام عروج تک گیا مگر اس عروج کو حاصل کرنے کے لیے اُنہیں اپنا فن چند سکوں کے عوض بیچنا پڑا۔ چنانچہ وہ اپنی تخلیقات کے سستے داموں فروخت ہونے پر سخت کرب کا شکار ہوتے ہیں۔ اُن کی نظم ''تاجروں کے دیس میں'' میں یہی کیفیت موجود ہے۔ وہ اپنی ماں سے مخاطب ہیں:

کوڑیوں کے مول بک جاتے ہیں فن پارے مرے
بجھ گئے کیچڑ پہ انگارے مرے[۹]

زندگی کی تکالیف برداشت کرنے کے باوجود وہ پر امید رہے زندگی کے بارے میں اُن کا نقطہ نظر مایوسانہ نہیں بلکہ صحت مندانہ ہے۔ وہ اپنی عالی حوصلگی کے بارے میں کہتے ہیں:

میں جواں ہوں میری ہمت نہیں یاس آلودہ
آپڑے سر پہ تو ہر بار الم سہتا ہوں[۱۰]

ان کے بارے میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں کہ :

''اس طرح کی سچی اور کھری باتیں وہی کہہ سکتا ہے جو اپنے ذاتی دکھوں اور شکستوں کے کھنڈروں پر بیٹھ کر عمر بھر رونے رلانے کی بجائے اپنا ناتا انسانیت سے جوڑ لیتا ہے۔''[۱۱]

قتیل کے قلم کی بے باکی قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ اپنے فن کو زندہ رکھنے کے لیے ان کو دشوار راہوں سے گزرنا پڑا ہے۔ اسے ایسے ایسے مصائب کے گرداب سے نبرد آزما ہونا پڑا جن کے خیال سے انسانی جسم لرز جاتا ہے۔ گردش زمانہ کے جھٹکوں نے قتیل کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آنے دی۔

اب اللہ تعالیٰ نے اُن کے اندر ایک ایسی طاقت اُبھار دی ہے کہ وہ خود پکار اُٹھتا ہے:

اب جو اپنے فن کو مستقبل پہ لہراؤں گا میں
ان گنت ماؤں کے دل کا چین بن جاؤں گا میں [۱۲]

قتیل ایک حقیقت پسند شاعر ہے۔ اُس کی حقیت نگاری کی بنیاد محض جذباتیت پر نہیں ہے۔ اُس کی شاعری اُس کی اپنی زندگی اور اپنے زمانہ کی آئینہ دار ہے۔ انسان اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کی تسکین کی خاطر شیطانی کھیل کھیل رہا ہے۔ اس ظالمانہ اور نامنصفانہ معاشرے میں صرف محنت کش طبقے ہی کا استحصال نہیں ہو رہا بلکہ اس نظام میں حسن، عصمت، جسم، ذہن، ضمیر، قلم، حکمت، صحافت، سیاست، عدالت، فیصلے ہر شے کا سودا ہوتا ہے۔ ہر چیز بکتی ہے خواہ وہ چیز ناقابل فروخت ہو۔ اس کا قلم برملا کہتا ہے:

زبانیں، دل، ارادے، فیصلے، جانبازیاں، نعرے
یہ آئے دن کے ہنگامے، یہ رنگا رنگ تقریریں
یہاں ہر چیز بکتی ہے، خریدارو! بتاؤ کیا خریدو گے؟
صحافت، شاعری، تنقید، علم و فن، کتب خانے
قلم کے معجزے، فکر و نظر کی شوخ تصویریں
یہاں ہر چیز بکتی ہے، خریدارو! بتاؤ کیا خریدو گے [۱۳]

ان کی نظمیں زندگی کی صداقتوں کی عکاس ہیں۔اُن کے ہاں سماجی شعور موجود ہے۔سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں:

''قتیل کے حوالے سے اس حقیقت پر میرا اعتقاد ایک مرتبہ پھر تازہ ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح امیروں کی دولت میں غریبوں کا حصہ مقرر کر رکھا ہے۔اس طرح ادیبوں کے قلم پر بھی مظلوموں اور محرومین کا حق عائد کر رکھا ہے۔قتیل نے ظالموں کا خاصہ محاسبہ کیا ہے۔''[۱۴]

وہ نمائشی غیرت مندوں کو سمجھاتے ہیں:

جلادوں سے خوف آئے جس غیرت کو
وہ غیرت بازار میں جا کر چھوڑ آؤ[۱۵]

قتیل حالات کی پیچیدگی کا شناور ہے۔وہ جانتا ہے کہ جرم بے گناہی کی سزائیں سخت سے سخت ہوتی جارہی ہیں۔مظلوموں کو رونے کے حق سے بھی محروم کیا جارہا ہے۔حق بات کہنے والوں کو جبر کی چکی میں پیسا جارہا ہے۔اُنھوں نے اپنی شاعری میں ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔اظہر جاوید تحریر کرتے ہیں:

''اُن کی ساری زندگی،ساری شاعری جھوٹ اور جبر کے خلاف لڑنے کا عنوان ہے۔''[۱۶]

وہ ملک میں ہر سو ناانصافی دیکھتا ہے۔اُسے چاروں طرف آنسوؤں کا سیلاب نظر آتا ہے۔جب آہوں کے طوفان چاروں طرف سے اُٹھتے دکھائی دیتے ہیں تو اُسے اپنا دامن بھی محفوظ دکھائی نہیں دیتا۔اُسے اپنی کشتی بھی ڈوبتی نظر آتی ہے۔وہ برملا کہتا ہے:

کس کے دامن پہ گرائے کوئی جلتے آنسو
کس کی دہلیز پہ بدلے گی یہ قسمت کھوٹی[۱۷]

بحر حقیقت کے اس شناور کے قلم سے مزید نکلتا ہے:

کون اس دیس میں دیگا ہمیں انصاف کی بھیک
جس میں خوں خوار درندوں کی شہنشاہی ہے[۱۸]

اظہر جاوید لکھتے ہیں:

''وہ آمریت کے خلاف لڑتے آئے ہیں۔ جبر کے خلاف سینہ سپر رہے ہیں۔''[۱۹]

قتیل شفائی کی زمانے کے سرد و گرم حالات کے پیچ و خم پر گہری نظر تھی۔ اُنہوں نے اپنی نظموں میں ظالمانہ نظام، طبقاتی کش مکش، سرمایہ داروں کے جبر، زمینداروں کے استحصال، آمروں کے ستم اور درندہ نما لوگوں کے اصلی چہروں کو بے نقاب کیا۔ دبے ہوئے اور کچلے ہوئے انسانوں کی بے بسی، بے کسی اور لاچاری کے حوالے سے بے باکانہ اور بے خوف ہو کر لکھا۔ انھوں نے کسی جابر کے سامنے اپنے قلم کی حرمت کا سودا نہیں کیا۔ یہی قتیل شفائی کی امتیازی شان ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اظہر جاوید، ''محبت کا برگد''، مشمولہ: انشاء (حیدر آباد: ۱۹۹۶ء) جلد نمبر ۶، شمارہ نمبر ۱۰۔ ۱۱، ص ۱۲۶۔

۲۔ ضمیر جعفری، ''دیباچہ''، مشمولہ: سمندر میں سیڑھی، قتیل شفائی (لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۸۶ء)، ص ۱۷۔

۳۔ قتیل شفائی، گجر (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۱۷۔

۴۔ قتیل شفائی، جل ترنگ (لاہور: مکتبہ پاکستان، ۱۹۵۴ء)، ص ۱۶۔

۵۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۔

۷۔ اعزاز احمد آذر، ''تاجروں کا دیس اور قتیل''، مشمولہ: فن اور شخصیت (قتیل شفائی نمبر) (بمبئی: ۱۹۸۲ء)، جلد ۶، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۳۲۷۔

۸۔ قتیل شفائی، برشگال (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۸۵۔

۹۔ قتیل شفائی، جل ترنگ، ص ۴۲۔

۱۰۔ قتیل شفائی، ہریالی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۱ء)، ص۱۱۔

۱۱۔ قتیل شفائی، ابابیل(لاہور: الحمد پبلی کیشنز،۱۹۹۸ء)، ص۱۲۳۔

۱۲۔ قتیل شفائی، جل ترنگ، ص۴۵۔

۱۳۔ ایضاً، ص۶۰۔

۱۴۔ قتیل شفائی، سمندر میں سیڑھی، ص۱۸۔

۱۵۔ قتیل شفائی، برگد (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۵ء)، ص۱۸۲۔

۱۶۔ اظہر جاوید، ''محبت کا برگد''، مشمولہ: انشاء(حیدر آباد: ۱۹۹۶ء)، ص۱۲۶۔

۱۷۔ قتیل شفائی، جل ترنگ، ص۳۳۔

۱۸۔ ایضاً، ص۳۸۔

۱۹۔ اظہر جاوید، ''محبت کا برگد''، مشمولہ: انشاء(حیدر آباد: ۱۹۹۶ء)، ص۱۱۷۔